رَزَقْنٰهُمْ سے مراد انسان کو دی گئی تمام صلاحیتیں ہیں

سات سو گنا سے زیادہ دینے والے خدا پر توکل کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 / اگست 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۳۰﴾ (فاطر:30)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ رَزَقْنٰهُمْ ہر قسم کی وہ نعمتیں یا حوائج ضروریہ جو کچھ بھی ہم ان کو عطا کرتے ہیں اس میں صلاحیتیں بھی شامل ہیں۔ آنکھیں، ناک، کان، قوت شامہ، قوت فکریہ، ہر قسم کی صلاحیتیں جن سے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ لفظ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کے تابع ہیں کہ جو کچھ ہم نے عطا کیا ہے اس میں سے ہر اس چیز میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً چھپ کے بھی اور ظاہر طور پر بھی۔ يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ایک ایسی تجارت چاہتے ہوئے جو کبھی ہلاک نہیں ہوگی۔ ایسی تجارت جو لامتناہی ہے، جس کا فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔ بہت سی دنیا کی تجارتیں پنپتی ہیں، نشوونما پاتی ہیں پھر ایک شخص کی زندگی میں نہیں تو اس کی اولادوں کی زندگی میں ہی تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ کسی کو بھید نہیں ملتا کہ کیا ہوا لیکن یہ ایسی تجارت ہے جس کے متعلق اللہ فرماتا ہے وہ نہ ہلاک ہونے والی، نہ ضائع ہونے والی،

کبھی نہ ختم ہونے والی تجارت ہے یہ وہ چاہتے ہیں۔

اس مضمون میں بھی جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون کو بعض دوسری نیکیوں کے ساتھ باندھا گیا ہے ورنہ محض انفاق اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں۔ بسا اوقات جو لوگ کہتے ہیں کہ جو روپیہ خرچ کرتے ہیں ان کو بہت اہمیت دی جاتی ہے جو نہیں خرچ کر سکتے ان کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہ سب نفس کے بہانے ہیں۔ عملاً جماعت کے نظام میں ہرگز امیر اور غریب میں قطعاً فرق نہیں ہے۔ تقویٰ کا فرق ہے۔ اگر کوئی غریب متقی ہو وہ ایک دھیلا بھی خدا کی راہ میں دے تو اس کی عزت کی جاتی ہے اور امیر اگر دے تو اس احساس کمتری کے نتیجے میں اس کی کوشش کو رد بھی نہیں کیا جاتا۔ یہ خیال کہ امیر کو اہمیت نہ دی جائے یہ بھی جاہلانہ خیال ہے جو احساس کمتری کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر برابر کی آنکھ ہے تو خدا کی راہ میں خدمت کرنے والوں کو ایک ہی طرح دیکھے گی خواہ امیر ہو خواہ غریب ہو، یہ فرق آتا ہی نہیں ذہن میں۔ یہ وہ دیوار ہے ہی نہیں جو کہیں حائل ہوتی ہو۔ اس لئے جن لوگوں کو اس مضمون کا علم نہیں، اس کا شعور نہیں رکھتے وہ اپنی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں یہاں یہ بات ہوگئی وہاں وہ بات ہوگئی۔ حالانکہ اللہ کی خاطر خرچ کرنے والے اور اللہ کی خاطر خرچوں کو قبول کرنے والے لوگوں نے بیچ میں یہ عارضی جور کاوٹیں لگائی ہوئی ہیں ان سے بالکل مبرا ہیں، اس قسم کی کوئی روک ان کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ ہر انسان بحیثیت انسان دکھائی دیتا ہے اور اکرم وہی ہے جو اتقیٰ ہو۔ جو حقیقۃً خدا سے ڈرنے والا اور پیار کرنے والا ہو اس کو جو خدا تعالیٰ نے عزت بخشی ہے کوئی انسان اس عزت کو چھین نہیں سکتا خواہ وہ امیر ہو یا غریب ہو۔

مگر اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والوں کی کچھ صفات بیان فرماتا ہے کہ وہ خرچ کرنے والے جو میری خاطر خرچ کرتے ہیں یا ایسا خرچ کرتے ہیں جن کے متعلق میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوگا ان کی صفات یہ ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ کہ اللہ کی کتاب پڑھنے والے لوگ ہیں۔ قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں، اس پر غور کرتے ہیں۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز کو قائم کرتے ہیں وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ پھر ان دو باتوں کے بعد خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا وہ جو خرچ ہے وہ خدا کے نزدیک قبولیت پا جاتا ہے اور ان لوگوں کا خرچ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ مالی قربانی اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے لیکن وہ لوگ جو بنیادی دینی فرائض سے

غافل رہتے ہوئے مالی قربانی کرتے ہیں ان کو بھی رد تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بسا اوقات ایک ٹانگ والے انسان بھی ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کو رد کیا جاتا ہے جو مالی قربانی نہیں کر سکتے، پیچھے رہتے ہیں لیکن عبادتوں میں ٹھیک ہیں جماعت کا سبھی حصہ ہیں۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو صف اول کے لوگ ہیں وہ دونوں ٹانگوں سے درست ہوتے ہیں اور ان کی رفتار باقیوں کے مقابل پر بہت تیز ہوتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے جو مالی قربانی کرنے والوں کی تعریف بیان فرمائی ہے اس کی بنیاد ہی اس بات سے اٹھائی ہے کہ تلاوت کرنے والے لوگ ہیں، نمازیں قائم کرنے والے لوگ ہیں اور اس کے نتیجے میں ان میں قربانی کا ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہاں بھی جیسے پہلے میں نے بیان کیا تھا سِرًّا کو پہلے رکھا ہے۔ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً، علانیة و سراً نہیں فرمایا۔ یہ جو خرچ کرتے ہیں پہلا رجحان ان کا چھپ کے خرچ کرنے کا ہے۔ سوائے خدا کے کوئی آنکھ نہ دیکھ رہی ہو اور یہ خرچ کرتے ہوں اور جس کے خرچ میں یہ روح ہو اس کو کوئی شخص کسی پہلو سے بھی متہم نہیں کر سکتا۔ اس پر یہ الزام لگا ہی نہیں سکتا کہ اس میں ریا کاری ہے کیونکہ ایک ہی آنکھ ہے جو اندھیروں میں بھی دیکھتی ہے، پردوں کے پیچھے بھی دیکھتی ہے وہ اللہ کی آنکھ ہے۔ پس یہ لوگ جب چھپ کے خرچ کرتے ہیں تو لازماً رضا باری تعالیٰ کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور چھپ کے خرچ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے وجود کی، اپنی انا کی کلیۃً نفی کر دی ہے کیونکہ جو شخص انا کی کلیۃً نفی کرتا ہے وہ بالکل پاگل ہوتا ہے۔ اللہ کے بزرگ بندے خصوصاً انبیاءؑ جو بزرگی میں سب سے بالا ہوتے ہیں وہ اپنی قربانی کی سب سے زیادہ قیمت وصول کرنے والے ہیں کیونکہ ان کی ہر چیز تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی زندگی کا انفاق بھی عبادت بن جاتا ہے اور چونکہ محض اللہ کی خاطر کرتے ہیں اس لئے وہ سب سے زیادہ سے زیادہ اپنی دولت کا اپنی نعمتوں کا پھل پاتے ہیں۔ نقصان والا وہ ہے جو اس راہ سے ہٹ کر دوسری جگہ خرچ کرتا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جن کے خرچ ملے جلے ہیں۔ کچھ نقصان کے سودے ہو گئے کچھ فائدے کے بھی ہیں زندگی کا گزارہ چلتا رہتا ہے لیکن انبیاء وہ ہیں جو اپنا سب کچھ تمام تر پھر خدا کی راہ میں لٹا دیتے ہیں اس لئے یہ انا کو برباد نہیں کرتے بلکہ اپنے وجود، اپنے احساس وجود کو جیسا فائدہ یہ پہنچاتے ہیں دنیا میں کوئی نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اگر کسی کا احساس وجود خدا کے احساس وجود سے ہم آہنگ ہو جائے، اس میں شامل ہو جائے تو پھر وہ مضمون پیدا ہوتا ہے کہ

صرف وہی ہے اور کچھ بھی نہیں۔

یہ جو صوفیاء کا مضمون ہے انہوں نے غلط سمجھا ہے اس لئے کچھ اور باتیں بنا دیں انا الحق جس سے نعرہ پیدا ہوا ہے، اس کا اصل یہ تھا کہ اپنے وجود کو کلیۃً اللہ کے لئے ہم آہنگ کر دو یہاں تک کہ تمہاری کوئی الگ آواز باقی نہ رہے۔ ہر تمہاری تمنا اللہ کی تمنا کے ساتھ چلے۔ اللہ کی رضا کی ہواؤں کے رخ پر تمہاری زندگی کی ہر آرزو جاری ہو جائے۔ یہ ہے وہ فنا جس کے بعد انا الحق کا نعرہ برحق ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں رہا، میرا تو سب کچھ اللہ کے لئے ہو گیا ہے۔ تبھی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام: 163) مجھے دیکھو میرا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ میرا مرنا جینا، میرا اٹھنا سونا، میری عبادتیں، ہر چیز ہر قربانی کلیۃً اللہ کے لئے ہو گئی ہے۔ تو یہ وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے جس کا نقشہ قرآن کریم کھینچتے ہوئے فرماتا ہے یہ ضائع نہیں کر رہے اپنی چیزوں کو۔ جو اندھیروں میں خرچ کرتے ہیں اور کھل کر بھی خرچ کرتے ہیں یہ کہیں پھینکتے نہیں دراصل یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً۔ یَّرْجُوْنَ سے پتا چلتا ہے کہ ان کی نیتوں میں للہ قربانی کا مضمون ہمیشہ داخل رہتا ہے۔

بعض لوگ اپنی فطرت کی مجبوری سے نیک کام کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اس کام کے لئے کیا ہے کہ لوگوں کے لئے بھلائی کا موجب بنیں لیکن باشعور طور پر بالا رادہ خدا کی خاطر یہ نہیں کرتے۔ اس لئے جہاں کوئی طبعی روک پیدا ہو جائے وہاں رک جائیں گے۔ جہاں روک نہ پیدا ہو وہاں فطرت کے مطابق خرچ کریں گے۔ مگر جو اللہ کی خاطر کرتے ہیں وہ روکیں عبور کر کے بھی کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں بھی کرتے ہیں کہ جب ان پر خود ایسی تنگی کا زمانہ ہو کہ گویا رزق سے محبت ہو جائے پھر بھی اللہ کی خاطر خرچ کرتے ہیں۔ تو اس لئے یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً سے ان کا ادنیٰ ہونا ثابت نہیں، ان کا اعلیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کوئی عام آدمی جو ان مضامین کو نہیں سمجھتا وہ یہ سمجھے گا کہ خود غرض ہی لوگ ہوئے نا یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً وہ ایک تجارت کی خاطر کر رہے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ حالانکہ کوئی انسان جو اپنے فائدے کی خاطر کام نہیں کرتا وہ قربانی کرنے والا نہیں وہ پرلے درجے کا احمق ہے۔ صرف فیصلہ یہ ہے کہ تھوڑا دے کر زیادہ حاصل کرتا ہے یا زیادہ دے کر تھوڑا حاصل کرتا ہے۔

دنیا میں خرچ کرنے والے اور نفس پر سب کچھ فدا کرنے والے بہت دیتے ہیں اور حاصل کچھ بھی نہیں کرتے۔ متاع دنیا ہی ہے نا جو چند دنوں میں ختم ہو جاتی ہے اور جو اللہ کی خاطر خرچ کرتے ہیں وہ ایک پیسہ بھی دیں تو اتنا زیادہ حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا فیض ان کے لئے لامتناہی فیض بن جاتا ہے۔ فیض جو خدا کی خاطر دوسروں کے لئے جاری ہو ان معنوں میں فیض ہے اور جو خدا کی طرف سے ان کے لئے جاری ہوتا ہے وہی فیض ہے جو ان کے فیض نے کمایا ہے۔ پس یہ وہ تجارت ہے جس کے متعلق فرمایا تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ لیکن اتفاقی نہیں ہے بالارادہ ہے اور بالارادہ ہونے کے نتیجے میں ہی اس کو بہت زیادہ فوائد پہنچتے ہیں۔ اگر بے ارادہ نیکی ہے تو پھول بھی تو خوشبو دیتا ہے، پھول بھی تو رنگت بکھیرتا ہے۔ مگر پھول کو اس کا کوئی ثواب نہیں۔ پانی اگر آگ بجھاتا ہے تو قانون قدرت کے طور پر کرتا ہے۔ اس میں پانی کے لئے ثواب کا موجب تو کوئی چیز نہیں مگر انسان جب آگ لگا بھی سکتا ہے بجھا بھی سکتا ہے، ارادے کے ساتھ لگاتا نہیں بلکہ بجھاتا ہے اور وہاں لگاتا ہے جہاں خدا چاہتا ہے کہ لگائی جائے تو اس کا ہر فعل خواہ آگ بجھانے کا ہو یا آگ لگانے کا ہو وہ نیکی بن جاتا ہے اس تجارت میں تبدیل ہو جاتا ہے جو اس کو کوئی گھاٹا نہیں جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔

دوسری جگہ الرعد آیت ۲۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً اس میں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ کے ذکر سے پہلے يَتْلُوْنَ كِتٰبَ کے ذکر کی بجائے ایک اور مضمون بیان ہوا ہے۔ اس لئے بظاہر ملتی جلتی آیات ہیں مگر ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ فرق ایسا رکھ دیا ہے کہ مضمون میں ایک نئی وسعت پیدا ہوئی ہے، ایک نیا رنگ بھرا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ جو اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے، رضا کی طلب میں صبر اختیار کرتے ہیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور پھر نماز کو قائم کرتے ہیں وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں سِرًّا وَّعَلَانِيَةً چھپ کر بھی اور کھلم کھلا بھی۔ اب دیکھیں یہاں بھی سِرًّا کو پہلے رکھا گیا ہے۔ یہ قطعی ثبوت ہے اس بات کا کہ ان کی نیتوں میں کوئی فتور نہیں ورنہ آنکھیں بند کر کے اندھیرے میں پیسہ پھینکنے والا تو جاہل ہوا کرتا ہے سوائے اس کے کہ نیت اعلیٰ ہو اور یہ یقین ہو کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ان کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ عُقْبَى ان

کے لئے ایک دار کے طور پر ہوگی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہے ''انہی کے لئے اس گھر کا انجام ہے'' عُقْبَى انجام کو کہتے ہیں الدَّارِ وہ گھر یعنی قیامت کا گھر۔ قیامت کے بعد ملنے والا گھر۔ مگر جس طرح بھی اس کا ترجمہ کریں بات وہی ہے کہ ان کو انجام کار، نتیجۃً وہ گھر عطا ہوگا جو دائمی ہے۔ اس میں تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ تو نہیں فرمایا گیا۔ لیکن الدَّارِ کہہ کر جنت کی نعماء جو ہمیشہ کے لئے رہنے والی ہیں ان کے دوام کی طرف اشارہ فرما دیا۔ پس فرق جو ہے نتیجے میں وہ آیت کے آغاز کے فرق کے طور پر وہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں غریب، جو دنیا میں نہ گھر رکھتے ہیں نہ دنیا کی عارضی نعمتیں، نہ اچھے لباس، نہ اچھا اوڑھنا بچھونا ان کو میسر ہوتا ہے اور اس کے باوجود وہ خدا تعالیٰ کے رزق پر چوری ہاتھ نہیں ڈالتے۔ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ محروم ہیں بعض نعمتوں سے، گھروں سے محروم ہیں، اچھے کپڑوں سے محروم ہیں، اچھے کھانے سے محروم ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ناجائز ذرائع سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتے ہوئے اپنے دل کی یہ تمنائیں پوری نہیں کرتے۔ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ اللہ کی رضا کو چاہتے ہوئے صبر کر جاتے ہیں کہ اللہ راضی رہے۔ کوئی حرج نہیں یہ چیزیں نہ ملیں۔ اس لئے طبعًا ان کی جزا الدَّارِ ہونی چاہئے تھی۔ الدَّارِ سے مراد ایسا گھر جو ہر قسم کی نعمتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں کسی چیز کی بھی کمی نہیں۔ جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان کی خواہش ان کے لئے وہ چیزیں اس طرح پوری کرے گی جیسے کوئی خواہش اور ماحصل میں فاصلہ ہی کوئی نہیں۔ ادھر تمنا کی ادھر وہ چیز حاضر ہوگئی۔

اور ان کے قیام صلوٰۃ کا صبر کے ساتھ وہ تعلق ہے جو تلاوت کا بھی قیام صلوٰۃ سے ایک تعلق ہے۔ صبر اور صلوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکٹھا باندھا ہوا ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ:45) تو محض صبر کر کے نہیں بیٹھ رہتے بلکہ صلوٰۃ کے ذریعے وہ اپنی کمی پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور جہاں تک اللہ کی خاطر خرچ کرنے کا تعلق ہے اس حالت کے باوجود، اس غربت کے باوجود رکتے نہیں ہیں، نہ دار ہے یعنی نہ وہ پرسکون گھر ہے جس کے ساتھ نعمتیں میسر ہوں۔ گھر کے تعلق میں جو بھی جنت ہے دنیا میں اس سے محروم ہیں، ناجائز طور پر حاصل نہیں کرتے اور پھر جو کچھ ہے وہ بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کی ایک اور

صفت یہ بیان فرمائی ہے وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وہ برائی کے بدلے نیکی داخل کرنا چاہتے ہیں یا نیکی کے ذریعے برائیاں دور کرتے رہتے ہیں۔اس مضمون کا تعلق ان کی ذات سے بھی ہے اور گردوپیش سے بھی ہے۔ جو انفاق کی کمی ہے جو استطاعت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کی بجائے ایک اور خیر جاری کر دیتے ہیں۔ وہ بدیوں کو دور کرتے کرتے ،نیکیاں جاری کرتے کرتے اس کی تمنا کو کسی نہ کسی طرح تسکین دے لیتے ہیں کہ خدا کی راہ میں ہم کچھ کریں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی مضمون کو بیان فرماتے ہوئے واضح فرمایا کہ اگر خرچ کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے تو کلمہ خیر تو کہہ دیا کرو۔تو یہ جو ہے برائیوں کو دور کرنا اور حسنات کے ذریعے برائیوں کو ہٹا دینا یہ ان کے اس کمی کے احساس کے نتیجے میں طبعاً پیدا ہوتا ہے۔ جتنے خدا کے نیک بندے ہیں اگر وہ خرچ نہیں کر سکتے دل چاہتا ہے تو اس کمی کو وہ خدمت بڑھا کر پورا کرتے ہیں۔ ہر خدمت کے موقع پر آگے آگے رہتے ہیں اور ہر وقت کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ہم اللہ کی رضا کما لیں۔ان کے متعلق فرمایا لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۔ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ان لوگوں کو دنیا میں بھی ملے اور صبر کا تعلق بھی اس مضمون سے دہرا ہے۔ بسا اوقات ایک انسان خدا کی خاطر، اس کی رضا کی خاطر، ہر نعمت سے محروم رہتے ہوئے پھر بھی ایک تسکین کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے لیکن صبر کے نتیجے میں۔اگر صبر نہ ہو تو پھر اس کو نہ تسکین نصیب ہو سکتی ہے نہ اس کی نیکی کی کوئی ضمانت ہے۔

اگر ایسا شخص جو اللہ کی رضا نہ جانتا ہو، اللہ کی رضا کا واقف ہی نہ ہو ان حالات میں گزارہ کرے جو قرآن کریم مومنوں کے بیان فرما رہا ہے تو پھر اس میں صبر کی طاقت نہیں ہو سکتی تھی اور صبر کی طاقت نہیں ہوگی تو ہمیشہ غریب آدمی سے سوسائٹی کو زیادہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔اس کی طلب کا معیار جو ہے وہ ادنیٰ چیزوں سے شروع ہو کر اعلیٰ تک پہنچتا ہے۔ایک امیر آدمی بعض دفعہ ایک معمولی چیز کو دیکھتا ہے اس کے دل میں چوری کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔کسی کا ایک رومال گرا ہوا ہے، ایک پن گرا ہوا ہے، کوئی چھوٹی موٹی چیز رہ گئی ہے اور اگر واقعۃً امیر آدمی ہو تو کیمرہ، ویڈیو اس قسم کی چیزیں وہ ٹھوکر بھی مارے تو اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے اس کے وہم میں بھی نہیں آئے گا کہ میں اس کو چرالوں۔مگر ایک غریب بعض دفعہ ایسی ایسی چیزیں بھی چرا لیتا ہے جس کے متعلق آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ اس بے وقوف کو کیوں نہیں خیال آیا کہ یہ ظلم نہ کروں۔

ربوہ میں جو میرا فارم تھا وہاں بعض ایسے درخت میں نے لگائے جو ڈنڈے کاٹ کے تو پیوست کئے جاتے ہیں وہ براہ راست جڑ پکڑ جاتے ہیں اور پھر اس سے درخت بنتا ہے۔ اب معمولی ڈنڈے تھے۔ وہ ایک دن ہم سارے محنت کر کے لگا کے گئے۔ دوسرے دن دیکھا تو کوئی اٹھا کے سارے ڈنڈے نکال کر لے گیا۔ اب وہ غریب آدمی بے چارے ان کے لئے ایندھن کا کام دے گئے۔ لوگوں کے سائے کی بجائے ان کے جلنے کے کام آ گئے۔ مگر غربت کی مجبوریاں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ساتھ باندھ دیا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے اوپر طبعی تقاضے ہیں کہ وہ بعض خوبیاں چھوڑ کر برائیوں میں منتقل ہو جائیں۔ وہ اس کا برعکس رخ رکھتے ہیں۔ وہ برائیاں دور کرتے رہتے ہیں اور حسن پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کی غربت ان کو حسین تر بنا دیتی ہے۔ بجائے اس کے کہ ان کے اندر عیوب پیدا کر دے اور یہی فیض ہے جو سوسائٹی میں بھی پھر جاری کرتے ہیں۔ غریب ہوتے ہوئے کلمہ خیر کہتے ہیں، لوگوں کو بہتر بنانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور بسا اوقات ایسے لوگوں کی نصیحتیں جو اپنی ذات میں کوئی بھی دلی خواہش نہ رکھتے ہوں نسبتاً امیر اور متمول لوگوں کے بہت زیادہ گہرا اثر کرتی ہیں۔ کئی ایسے درویش صفت آپ نے انسان دیکھے ہوں گے چلتے پھرتے لوگوں کی بھلائی میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔

تو ان کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہر نیکی، ہر انفاق کی جزا لازماً دنیا میں نہیں ملا کرتی۔ بعض لوگ صبر سے آزمائے جاتے ہیں اور صبر کی صفت کا پہلے ذکر فرما دیا، بتانے کے لئے کہ ان کا لمبا صبر ہے۔ یہ عمر بھر صبر کریں گے اور صبر پر ثابت قدم رہیں گے۔ ان کی جزا الدَّارِ ہے۔ تمام تمنائیں، تمام امنگیں جو تھیں یا جن تک پہنچ بھی نہیں تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ ان کے مرنے کے بعد پوری فرما دے گا اور ہمیشہ کے لئے ان کو تسکین کی اور امن کی زندگی عطا فرمائے گا۔ اب یہ فائدے ہیں۔ آپ دیکھیں دنیا میں جماعت احمدیہ کے سوا کوئی ہے جماعت جس کا اس مضمون سے تعلق ہو۔ کسی کا بھی تعلق نہیں۔ لوگوں کا لوگوں کے پیسے چھیننے سے تعلق ہے۔ تمام سیاسی نظام، تمام اقتصادی نظام، تمام معاشرے اس وقت ان سوچوں پر جاری ہیں کہ کس طرح دوسروں کے پیسے ہتھیائے جائیں۔ عدالتیں بھی اسی غرض سے قائم ہیں۔ پولیس بھی اسی غرض سے بنائی گئی ہے۔ فوجیں بھی آخر یہی کام کرتی ہیں، پیسے ہتھیانا لوگوں کے۔ لوگوں کے لئے خرچ کرنا، اپنے حقوق چھوڑنا اور غیروں پر جو خرچ کرنا جبکہ آپ بھی نہ ہو۔ بہت تنگی ترشی میں

گزارہ کر رہا ہو انسان، اللہ کی رضا کا خیال نہ آئے تو صبر بھی نہ ہو پھر بھی حال یہ ہے کہ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (البقرہ:263) اپنے اموال وہ نیکی کے کاموں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔

پھر سورہ السبا میں آیت چالیس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ رَبِّیْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ (السبا:40) تو بتا دے لوگوں کو کہ میرا رب رزق کشادہ بھی کرتا ہے جس کے لئے چاہے مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے وَيَقْدِرُ لَهٗ اور کسی بندے کے لئے وہ رزق کم بھی کر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ کے تعلق میں صبر کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی تھے، بہت امیر اور لمبے عرصہ سے نسلاً بعد نسل اچھا کمانے والے، تاجر خاندان کے فرد تھے ان کے کام بگڑنے شروع ہوئے۔ جو کچھ تجارت کے مال تھے وہ ضائع ہونے لگے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بڑے عاجزانہ دعا کے لئے لکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تو یہ الہام ہوا:

قادر ہے وہ بارگہ ٹوٹا کام بناوے
بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے (درثمین:186)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ گئے کہ قادر کرتا ہے اکثر یہی کرتا ہے مگر جب یہ چاہے کہ بنا بنایا توڑ دے تو کسی کو بھید نہیں ملتا، کیوں ایسا واقعہ ہو گیا، ہو کے رہتا ہے۔ وہ بھی اس بات پر صبر کر گئے اور سمجھ گئے کہ میرے لئے یہی مقدر ہے۔ چنانچہ وہ صدمے جو کسی اور تاجر کے لئے جان لیوا ہو سکتے تھے ان کے لئے مزید تسکین کا موجب بن گئے۔ وہ انتظار کر رہے تھے کہ اب میں جو چاہوں کروں میرا کام اب بگڑنا ہی بگڑنا ہے اور میرے اللہ نے مجھے بتا دیا ہے اور اللہ کی خاطر ایسا ہی ہونا چاہئے۔ تو وہ جو ان کی تجارت کی بربادی جو بعد میں رونما ہوئی وہ اس پر بہت راضی رہے اور اس وجہ سے وہ بہت مرتبہ پا گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بڑے پیار سے ذکر فرمایا ہے۔

یہی مضمون ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے قُلْ اِنَّ رَبِّیْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے رزق بڑھا دیتا ہے اور مِنْ کی طرف پھر ضمیر پھر رہی ہے وَيَقْدِرُ لَهٗ اور مـــن میں سے ایک ایسا شخص بھی ہوتا ہے اس کے بندوں میں جس کے لئے وہ رزق تنگ کر دیتا ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ اور جو کچھ تم خرچ

کرو گے یاد رکھو کہ اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ ضرور نکالے گا۔ اب یہاں جزا دینے کا مضمون نہیں ہے۔ جس قسم کا آیت کا آغاز ہے اسی سے تعلق رکھنے والا مضمون اس دوسرے حصے میں بیان ہوا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میری راہ میں خرچ کرنے والوں کو کہہ دو کہ تمہارا رزق تو میں ضرور بڑھاؤں گا فرمایا ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ کام تم کرتے ہو نتیجہ وہ نکالتا ہے۔ بسا اوقات تمہارا کام نقصان چاہتا ہے جس قسم کے تم کام کر رہے ہو اس کا طبعی نتیجہ نقصان نکلنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا جاری قانون جو ہے وہ اپنا عمل دکھاتا ہے اور اس سے تم پھر بچ نہیں سکتے۔ اس لئے دنیا کی تجارتوں میں ہوش ضروری ہے اور جہاں ہوش میں کمی آئی وہاں بعض دفعہ بنے بنائے کام اس لئے بگڑتے ہیں کہ يُخْلِفُهٗ کا مضمون چل پڑتا ہے۔ جیسا تم نے کام کیا اللہ ویسا ہی نتیجہ نکالے گا۔ یہ فی سبیل اللہ خرچ کی بات نہیں ہو رہی۔ چنانچہ یہاں اَنْفَقْتُمْ بغیر سبیل اللہ کے ہے لیکن فی سبیل اللہ خرچ بھی اس میں شامل ہے آخر۔ بعض لوگ فی سبیل اللہ کرتے ہیں اس میں يُخْلِفُهٗ کا مضمون وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کو ایسی تجارت مل جائے گی جو لَّنْ تَبُوْرَ کبھی وہ گھاٹے میں نہیں پڑے گی۔ ان کو ایسا دار نصیب ہو جائے جو ہمیشگی کا دار ہے اور ہر نعمت سے بھرا ہوا ہے۔ تو ہر آیت کے مضمون میں ایک جیسے لفظ کو دیکھ کر خود بخود یہ خیال نہ کر لیا کریں کہ وہی بات ہو رہی ہے۔ ہر آیت کا ماحول الگ الگ ہے۔ ایک ہی مضمون بظاہر بیان ہو رہا ہے مگر تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ پورے مضمون کا منظر بدل گیا ہے اور اس نئے منظر میں ڈوب کر اس آیت کے مضمون کو سمجھنا ضروری ہے۔

اور جہاں تک اس کے نتیجے میں نقصان کا تعلق ہے ایک گر بتا دیا آخر پر وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کہ رزق دینے والوں میں سب سے اچھا وہی ہے اس لئے ایسی صورت میں اسی طرف جھکا کرو۔ جب تمہاری چالاکیاں کام نہ آئیں تمہاری کوششیں ناکام، نامراد ثابت ہوں۔ جب ہر ذریعہ تجارت کو فروغ دینے کا تجارت کے نقصان کا موجب بن رہا ہو تو یہ یاد رکھنا وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اس سے تعلق جوڑو، اس کے حضور گریہ وزاری کرو تو بسا اوقات وہ ان حالات کو بدل دیتا ہے اور یہاں يُخْلِفُهٗ کا مضمون نہیں بلکہ تقدیر الٰہی کا مضمون ہے یعنی دعا کی غالب تقدیر کا مضمون ہے۔

اب میں چند حدیثیں اس مضمون کے تعلق میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ

سے روایت ہے ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، اللہ ان سے راضی ہو یا راضی ہوا، بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں۔ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے سخی کو اور دے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اور پیدا کر۔دوسرا کہتا ہے اے اللہ روک رکھنے والے کنجوس کو ہلاکت دے اور اس کے مال ومتاع برباد کر۔(بخاری کتاب الزکاۃ) یہ جو مضمون ہے کہ عرش معلیٰ پر انسانی نظام کو یا خدا تعالیٰ کی کائنات کے نظام کو چلانے والے جو وجود ہیں وہ فرشتے کہلاتے ہیں۔تو دو فرشتے اترتے ہیں سے یہ مراد نہیں کہ انسانوں کی طرح کوئی دو شخص اتر رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی احادیث پر غور کرنے سے جو فرشتوں کا مضمون سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح وقت کی مناسبت سے پہرے ہوتے ہیں، وقت کی مناسبت سے ڈیوٹیاں بدلا کرتی ہیں ہر وقت کے لئے اس وقت کے نظام کو چلانے کے اللہ تعالیٰ کے خاص مامور فرشتے ہیں، جو اس نام کے لئے نور بنائے گئے ہیں اور صبح کا نظام ہے اندھیروں سے روشنی میں انسان داخل ہو رہا ہے، کئی قسم کی نئی امنگیں پیدا ہو رہی ہیں، کئی قسم کے امکانات دوبارہ ابھر رہے ہیں، کئی قسم کے امتحانات نئے درپیش ہیں ان موقعوں کے لئے اس مضمون سے تعلق والے فرشتے ہوتے ہیں۔تو دو فرشتوں سے مراد یہ ہے کہ اس مضمون میں دو قسم کے فرشتے ہیں جو خاص طور پر حرکت میں آجاتے ہیں ان کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ایک وہ ہیں جو خدا کی خاطر خرچ کرنے والوں کے دلوں کو تقویت دیتے ہیں اور ان کے اموال میں برکت کا موجب بنتے ہیں اور دوسرے عمل جو فرشتوں کے طبعاً جاری ہیں اس کے علاوہ دعا بھی کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے۔ایسے فرشتوں کے ذکر میں فرماتا ہے۔وہ کہتے ہیں اے اللہ خرچ کرنے والے سخی کو اور دے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اور پیدا کر۔تو بد دعا جو ہے دراصل اس عمل کرنے والے کے عمل کا ایک طبعی نتیجہ ہے۔اس طبعی نتیجے کو حرکت دینے اس کو مزید آگے بڑھانے میں یہ دعا اصل میں منظر کشی کر رہی ہے قانون قدرت کی کہ فرشتے اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔فرشتے جو محنتوں کے پھل بناتے ہیں یا محنتوں میں نقص کے نتیجے میں پھلوں کو ضائع کر دینے کے قانون پر راج کر رہے ہیں ان کے اختیار میں وہ قوانین ہیں۔ان کی دعا کا مطلب یہی ہے کہ ان کا عمل پھر ان کے خلاف شروع ہو جاتا ہے۔کئی دفعہ ایک انسان کہتا ہے کہ ہم نے تو بہت سے کنجوس ایسے دیکھے ہیں جن کے اموال میں بڑی برکت پڑی وہ بڑھتے رہے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن امر واقعہ یہ

ہے کہ ایسے لوگوں کا مال آپ کو دکھائی نہ بھی دے تو ہلاک ہو چکا ہوتا ہے۔ کئی دفعہ لوگ یہ سوچتے ہی نہیں کہ بعض ایسے امیر ہیں جن کے مال تجوریوں میں ہیں یا بنکوں میں پڑے ہوئے ہیں اور ایسے کنجوس ہیں کہ وہ اپنے اموال سے آپ کبھی فائدہ اٹھا ہی نہیں سکے۔ اب بتائیں ان میں اور غریب میں فرق کیا ہے۔ ان کا مال ان کے لئے ہلاک ہو ہی گیا ہے۔ ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں۔ یوں ہی آپ کو وہم ہے کہ ان کے ہاتھ میں خزانے ہیں، خزانے نہیں خزانوں کی چابیاں ہیں اور ایسے ہاتھوں میں ہیں کہ وہ اپنے خزانوں سے پیسے نکال ہی نہیں سکتے تو چوکیدار ہو گئے اور ہر وقت کا غم کہ مال ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ دراصل ہلاکت کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگوں کو جو مال تالوں میں بھی بند پڑا ہے اس کے تحفظ کا بھی کبھی یقین نہیں ہوتا۔ ہر وقت ایک غم میں گھلتے چلے جاتے ہیں۔

میں نے ایک دفعہ پاکستان کے ایک کروڑ پتی تاجر کا واقعہ بیان کیا تھا۔ ان کے ایک احمدی رشتہ دار تھے جو ایک دفعہ ایک بڑی دعوت میں جو انہوں نے کی تھی جس میں تمام پاکستان کی معزز ہستیاں شامل تھیں اس دعوت میں ان رونقوں کو دیکھ کر اس سے مرعوب ہو کر اس نے اپنے عزیز سے سوال کیا کہ تمہاری تو موجیں ہی موجیں ہیں تمہیں تو سب کچھ حاصل ہو گیا ہے۔ اچانک اس کی کیفیت بدل گئی۔ ضبط مشکل ہو گیا۔ کہتے ہیں اس نے بٹنوں کو کھولا بھی نہیں یوں پھاڑ کے چھاتی کہ یہاں جھانک کر دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ آگ لگی ہوئی ہے۔ تمہیں وہم ہے کہ تسکین ہے۔ تو بعض دفعہ آپ دیکھ رہے ہیں بظاہر کہ ان کو کچھ بھی نہیں ہوا لیکن یہ جو فرشتوں کی دعا ہے یہ کام ضرور کرتی ہے۔ ان کی اولادیں بسا اوقات انہی پیسوں سے برباد ہو جاتی ہیں جو ان کو ورثوں میں ملتے ہیں اور پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر بھی ان کی تجارتیں اچانک ایک ایسے موڑ پر چلی جاتی ہیں جہاں سے پھر واپسی ممکن نہیں رہتی۔ ہزار قسم کی بلائیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ تو آپ اپنی آنکھ سے دیکھ کر کسی کے سکون اور اس کے اطمینان کا فیصلہ نہ کیا کریں۔

قرآن کریم نے جو مضامین بیان فرمائے ہیں بہت گہرے ہیں اور یہی سچے ہیں۔ امیر آدمی کو کوئی چین نہیں اگر انفاق نہیں کرتا۔ انفاق ہی میں سکون ہے۔ انفاق میں بظاہر انسان مال ہلاک کر رہا ہے لیکن اس کی اتنی قیمت وصول نہیں کرتا کہ اس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ قیمت وصول کرنے سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ فوراً اللہ تعالیٰ ادھر ایک ہاتھ سے کوئی دے اور دوسرے ہاتھ سے

بہت زیادہ اس کو لوٹا دے۔ ایسا بھی ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے مگر ان لوگوں کے لئے یہ تسکین بخش ہے جن کی نیت یہ نہیں ہوتی۔ نیت ایک نیک کام پر خرچ ہے، اللہ کی رضا کی خاطر خرچ ہے، ایسا خرچ ہے جو تسکین بخشتا ہے وہ دنیا کا کوئی اور خرچ نہیں بخش سکتا۔ اب بعض دفعہ کسی ایک غریب کو روٹی کھلا کر جو حاجت مند ہو اور آپ کی آزمائش ہو آپ نہ بھی کھلا سکتے ہوں اپنا حق چھوڑ کر اس کو کھلا رہے ہوں، چھوٹا سا ایک واقعہ گزر جائے آپ کی ساری زندگی کا سرمایہ بن جائے گا۔ موت کے کنارے پر بھی جب آپ سوچیں گے کہ شاید میرے لئے کوئی چیز نجات کا موجب بن جائے تو یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ابھر کے آپ کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا کہ اور تو میں کچھ نہیں کر سکا شاید یہی چیز مجھے ہلاکت سے بچالے اور اللہ کے نزدیک میں قابل بخشش ٹھہروں تو نیکیوں کا اجر ضروری نہیں کہ جسمانی طور پر دکھائی دے یا مادی رنگ میں عطا ہو۔ وہ اجر وہیں ملنا شروع ہو جاتا ہے جہاں نیکی نے عمل دکھایا ہو اور باقی اجر مٹ جاتے ہیں، کہانیاں بن جاتی ہیں یا ایک ہاتھ سے آئے دوسرے ہاتھ سے نکل گئے۔ لیکن نیکیوں کے اجر مستقل، نہ مٹنے والی تجارت بن کر ساتھ رہتے ہیں۔

ایک یہ بھی معنی ہے لَّنْ تَبُوْرَ نیکیوں کے مزے، ان کی لذتیں، ان کی تسکینیں وہ جو طمانیت بخش جاتی ہیں وہ نہ ختم ہونے والی ہیں اور جن کو اس کی عادت ہو، جن کی ساری زندگی اس میں کٹی ہو، ان کی تو موجیں ہی موجیں ہیں۔ دشمن سمجھتا ہے کہ بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں اللہ کے انبیاء اتنے پیارے دیکھو کتنے دکھ دیئے جارہے ہیں۔ مگر جن کے ہاں صبح سے شام تک خیرات بٹتی ہو ان کی تسکین کا کوئی دوسرا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ وہ تجارت ہے جس کے متعلق فرشتے دعائیں دیتے ہیں کہ اے اللہ ان کے مال کو بڑھاتا چلا جا، ان کی تسکین کو بڑھاتا چلا جا، وہ غلام عطا کر دے ان کو جوان جیسے ہی بننے شروع ہو جائیں۔

پس آنحضرت ﷺ کے حق میں سب سے زیادہ یہ دعائیں سنی گئی ہیں فرشتوں کی۔ دیکھو کیسے کیسے آپؐ نے خرچ کرنے والے پیدا کئے ہیں اور ایسے خرچ کرنے والے جو رضائے الٰہی کے سوا کسی اور طرف مال کی خاطر کسی آنکھ سے دیکھتے ہی نہیں تھے، نظر بھی نہیں کرتے تھے اس طرف۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ (الفتح: 30) ان کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتا ہے يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ان کو پھر دنیا کمانے کی کوئی غرض نہیں رہتی۔ دنیا بھی کماتے

ہیں تو اللہ ہی سے کماتے ہیں۔ فضل بھی اسی سے چاہتے ہیں یعنی اموال، دنیا کے اموال کے لئے رحمت کے مقابل پر فضل کی اصطلاح زیادہ استعمال ہوئی ہے قرآن کریم میں ،يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا اور فضل کماتے ہیں تو رضوان بھی کما جاتے ہیں، ایک یہ بھی معنی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فضل کی الگ دعا کر رہے ہیں رضوان کی الگ۔ وہ جن کا مال خدا کی راہ میں خرچ ہوتا ہے ان کا فضل کمانا رضوان کمانا ہی بن جاتا ہے۔ جتنا بھی خدا ان کو زیادہ دیتا ہے گویا رضوان زیادہ دے رہا ہے کیونکہ ان کے مال کا ہر حصہ اللہ کی رضا کی خاطر خرچ ہو رہا ہوتا ہے۔ تو کنجوس بے چارے کی تو زندگی ہی کوئی نہیں۔ اس کا ایک اور نقشہ خدا کی راہ میں سخی یا دنیا میں بھی جو سخی ہو اور کنجوس اس کے مقابل پر ہو اس کا بھی آنحضرت ﷺ نے نقشہ کھینچا ہے۔ میں وہ بتاتا ہوں آپ کو، ابھی آگے وہ آئے گا مضمون جو اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے۔ سر دست میں آپ کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سناتا ہوں جو بخاری کتاب الزکوٰۃ سے لی گئی ہے۔ عرض کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو شخصوں کے سوا کسی پر رشک نہیں کرنا چاہئے۔ اگر رشک کرنا ہے تو دو شخصوں پر کرو۔ ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اسے راہ حق میں خرچ کر دیا۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے سمجھ، دانائی اور علم و حکمت دی جس کی مدد سے وہ لوگوں کے فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، ان کی تربیت کرتا ہے۔

وہ جو پہلا مضمون میں نے قرآن کی آیت کے حوالے سے بیان کیا تھا اس کی تصدیق یہ حدیث کر رہی ہے کہ وہ لوگ جو دنیا کا خرچ نہیں پاتے اپنے پاس خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے، ان کی توجہ پھر دانائی کی باتیں پھیلانا، برائیوں کو دور کر کے نیکیاں پیدا کرنا ان امور کی طرف بٹ جاتی ہے۔ جس طرح بعض دفعہ لوگ بینائی سے محروم ہوں تو حافظہ تیز ہو جاتا ہے، کچھ نہ کچھ انسان ردعمل ضرور دکھاتا ہے۔ تو ان لوگوں کا نقشہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی رنگ میں بیان فرمایا ہے کہ خدا کے بندے دو قسم کے ہیں جن کے پاس کچھ نہ ہو وہ دانائی خرچ کریں گے پھر۔ جو بھی اللہ نے حکمت عطا کی ہے اس کو راہ خدا میں قربان کرتے پھریں گے۔ تو یہ دونوں بندے ہیں جن پر رشک کرنا چاہئے۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کی تفسیر خود بخود ظاہر ہو گئی اس سے کہ رَزَقْنٰهُمْ کے دو پہلو ہیں۔ ایک دنیاوی فوائد، نظر آنے والے فوائد، ایک وہ فوائد جو صلاحیتوں کے طور پر اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

ترمذی باب فضل النفقہ سے حضرت خریم بن فاتح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے رستے میں کچھ خرچ کرتا ہے اسے اس کے بدلے سات سو گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اب یہاں جو لفظ سات سو ہے اس کی وضاحت کی خاطر میں نے آج آپ کے سامنے یہ حدیث پڑھی ہے۔ احادیث جمع کرنے کے ادوار میں بعض ادوار ایسے آئے ہیں جن میں اعداد و شمار پر بہت زور ملتا ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی ساری حدیثیں اس طرح قابل اعتماد نہیں جس طرح اول دور کی حدیثیں ہیں۔ ان میں لامتناہی اجر کی باتیں ملتی ہیں یا وہ لفظ ملتے ہیں اعداد کو ظاہر کرنے کے لئے جو عربی میں دراصل لامتناہی مضمون کو بیان کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ سات دفعہ، ستر دفعہ یہ وہ مضمون ہیں جو عربی زبان میں لامتناہی کے معنے ہی رکھتے ہیں۔ سورہ فاتحہ بھی ایک لامتناہی کتاب ہے اس لئے اس کی آیتیں بھی سات ہی رکھی گئی ہیں۔ مگر بعض حدیثیں اعداد و شمار کو اس طرح اہمیت دیتی ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کے مزاج کے خلاف دکھائی دیتا ہے اس لئے یا تو ان کا معنی سمجھنے میں سننے والے نے غلطی کی ہے یا پھر وہ بعد میں وضع کی گئی ہوں گی۔ مگر یہ حدیث جو میں نے لی ہے یہ ترمذی کی ہے یہ اس بعد کے دور کی نہیں ہے۔ اس لئے اس کے معنے پر غور کرنا ہوگا۔ میں نے ضمناً آپ کو تنبیہ کی ہے کہ جو اعداد و شمار والی حدیثیں ہیں وہ بعض دفعہ ایسے حیرت انگیز مضامین بیان کرتی ہیں جو اعلیٰ حدیث کے مضامین سے براہ راست متصادم ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم سے بارہا متصادم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ اعداد کے مضمون کو ٹھہر کر غور کر کے دیکھیں یہ معلوم کریں کس کتاب میں سے ہے، کس دور کی حدیث ہے اور پھر مضمون سمجھنے کی کوشش کریں۔ ورنہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک بات اگر خدا کی خاطر یوں کر دے تو اسے ستر حفاظ قرآن کے برابر ثواب ہوگا۔ اب بتائیے ایک آدمی ایک حرکت کرتا ہے ستر حفاظ قرآن اور پھر آتا ہے بعض دفعہ کہ ستر یا زائد ساری عمر عبادت کرنے والوں کے برابر اس کو ثواب ہو جائے گا۔

اب اگر یہ مضمون اس طرح اعداد میں سمجھا جائے تو سارا نظام جزا سزا درہم برہم ہو جاتا ہے اور قرآن کریم کی آیات سے اس قسم کی احادیث متصادم دکھائی دیتی ہیں۔ اس لئے یا تو کوئی ایسا معنی بہت گہرا غوطہ کر کے نکالنا پڑے گا جو باقی مضامین سے متصادم نہ ہو یا پھر یہ سمجھیں کہ اس دور کی پیداوار

ہے جب عادت تھی لوگوں کو کئی قسم کے مبالغے کرنے کی اور نیکیوں میں بھی مبالغے کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے مگر یہاں جو میں عرض کر رہا ہوں میرے نزدیک چونکہ ترمذی کی حدیث ہے پہلے دور کی حدیث ہے اس لئے ہم اس بنا پر اس کو رد نہیں کر سکتے کہ فرضی بات ہے۔ سات سو گنا زیادہ ثواب ملتا ہے یہ دراصل ثواب کا لفظ جو ہے یہ مطلب اس کا نہیں، میں یہ نہیں سمجھتا کہ ایک روپیہ خرچ کیا ہے تو سات سو روپے مل گئے یہ معنے غلط ہیں۔ ایک روپے کے خرچ میں بعض دفعہ دنیا میں اگر کوئی معقول خرچ کرتا ہے تو ایک لاکھ بھی مل جایا کرتے ہیں۔ حکمت سے کیا ہوا خرچ دنیا میں ہی بہت زیادہ فائدے پہنچا دیا کرتا ہے۔ تو سات سو گنا کی نسبت اس روپے سے نہیں ہے جو خرچ کیا گیا ہے۔ سات سو گنا کی نسبت اس ثواب سے ہے جو انسان اپنی کوششوں سے حاصل کرتا ہے۔ اپنی کوششوں سے جو تم کما کر بہت ہی زیادہ فائدے اٹھا جاتے ہو اپنی طرف سے۔ بعض دفعہ لاٹری ڈالی ہے تو ایک پونڈ کے بدلے ایک ملین مل گیا۔ خدا کی خاطر جو **تم روپیہ پھینکو گے اپنی طرف سے تمہارے بہترین اجر کے مقابل پر وہ سات سو گنا زیادہ ہوگا۔** یہ مضمون اگر سمجھیں تو یہ دل کو تسکین بخشتا ہے۔ ورنہ سات سو کا حساب کر کر کے اللہ دے تو وہ غریب جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں دو دو آنے خرچ کئے تھے اور ان کا ذکر خیر آپ کی کتابوں میں ہمیشہ کے لئے جاری ہو گیا۔ اس حدیث کو اگر ان معنوں میں سمجھیں جو عام طور پر لوگ بناتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چودہ سو آنے مل گئے۔ وہ چودہ سو آنے کیا چیز، ان کی حیثیت کیا، مگر بعض دفعہ ایک تاجر دو آنے خرچ کرتا ہے اور اس سے بے حد فیض پا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کے بعد ہی خلیفۃ المسیح الاول ؓ کے زمانے میں مگر ایسے دوست جو صحابی بھی تھے۔ ماٹا کہتے تھے ہم ان کو۔ وہ ماٹا صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ سے یہ عرض کیا کہ میں بہت غریب آدمی ہوں مجھے کچھ دیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو میں دو آنے دوں گا لیکن ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں ایک تجارت بتاتا ہوں وہ شروع کر دو اور دو آنے تمہارا سرمایہ ہیں۔ یہ نہیں کھانا کبھی۔ جو پیٹ بھرنا ہے منافع سے بھرو اور کوشش کرو کہ یہ سرمایہ بڑھتا رہے۔ تو انہوں نے چھابڑی بنائی جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ نے فرمایا تھا۔ دو آنے کے چنے لئے اس میں سے شاید پیسہ بچا کے نمک مرچ خریدی، کوئی املی خریدی اور وہ چھابڑی لگا لی اور اس چھابڑی سے وہ

صاحب جائیداد بن گئے اور انہوں نے چھابڑی نہیں چھوڑی۔ جب ہم وہاں سکولوں میں پڑھا کرتے تھے تو ماٹے کے چنے کا اتنا شوق تھا کہ جو پیسے کبھی بچتے تھے گھر سے وہ وہاں آتے جاتے ماٹے کے چنے کھایا کرتے تھے۔ سادہ سے چنے تھے بیچ میں آلو بھی ڈالے ہوتے تھے تھوڑے سے۔ مگر جوان کا مزہ تھا وہ مزہ ہی اور تھا، اس میں دعائیں بھی شامل تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے جس دعا کے ساتھ وہ دوا نے دیئے تھے اس میں دیکھیں کتنی برکت پڑی۔ صاحب جائیداد ہو گئے اور ان کی اولاد سب دنیا میں پھیلی پڑی ہے۔ ابھی ربوہ سے بھی ایک ان کے بیٹے ملنے کے لئے آئے تھے یا ان کے پوتے عبدالرحمان صاحب جو ان کے بیٹے تھے وہ ٹانگے والے بن گئے تھے۔ ان کے بچے ملنے آئے۔ سارے خوش حال ہیں، اپنے خرچ سے یہاں آئے، اپنے خرچ سے جلسہ کی خاطر آئے جلسہ دیکھ کر واپس چلے گئے کوئی اور تمنا نہیں تھی۔ تو یہ دوا نے کی برکت ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ سات سو گنا سے مراد یہ ہے کہ تم نے جو دوا نے استعمال کئے حکمت کے ساتھ دنیا کے قوانین کو جو خدا نے جاری کئے ہیں ان کو بہترین استعمال میں لاتے ہوئے اتنی برکتیں مل گئیں۔ مگر اللہ جو برکتیں ڈالے گا وہ ان ساری برکتوں کی انتہا سے سات سو گنا زیادہ ہوں گی۔ یہ دیکھیں تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کے چندے کے دوا نے کی سمجھ آجاتی ہے۔ وہ اس تجارت سے بڑھے ہوئے مال کے مقابل پر واقعی سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ ہیں اور جہاں بھی سات سو گنا یا آٹھ سو گنا کی بات ہو وہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ قرآن کریم نے جب گنا کی بات کی ہے تو وہی دراصل مثال، اصل مثال ہے جس سے آگے مثالیں بننی چاہئیں۔

وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض تمہارے انفاق ایسے ہیں جیسے ایک بیج ڈالو اس میں سے سات کونپلیں نکلیں۔ ہر کونپل میں بالیاں ہوں جو سو، سو دانے رکھتی ہوں تو یہ سات سو گنا زیادہ بن جاتا ہے۔ سات کونپلوں پر جو بالی ہو ہر بالی میں سو دانے ہوں تو سات سو گنا بن جاتا ہے لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ جس کے لئے چاہتا ہے زیادہ بڑھا دیا کرتا ہے۔ یہیں نہ ٹھہر جانا۔ تو ایک ذریعہ اس حدیث کو سمجھنے کا یہ بھی ہے کہ سات سو کا جو ذکر ہے ایک ابتدائی تمثیل کے طور پر ہے۔ اتنا تو تمہیں دے ہی دے گا نا اور وہ بھی بہت ہوتا ہے۔ ایک بیج ڈالے آدمی اس سے سات سو بیج بن جائیں یعنی ایک من پہ سات سو من گندم نکلے تو بہت بڑی جزا ہے لیکن فرماتا ہے کہ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ

(البقرہ:262) مضمون یہ ہے کہ یہاں ٹھہر نہ جانا اس کا لامتناہی قانون بڑھاتے رہنے کا بھی ایک جاری وساری ہے۔ وہ پھر جتنا چاہے دیتا چلا جائے گا اور اس کا تعلق نیت کے خلوص سے ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کی مثال دیتے ہوئے فرمایا تھا اس کو عام نمازوں کی طرح نہ سمجھنا۔ اس کی ایک نماز تمہاری کتنی نمازوں پر زیادہ حاوی ہے۔ تو پھر نیت کا مضمون بیچ میں داخل ہو جاتا ہے۔

کچھ اور باتیں بھی اس ضمن میں بیان کرنے والی تھیں مگر میں انشاء اللہ پھر بیان کروں گا۔ وقت ہو گیا ہے۔ ایک اعلان کرنا تھا جو باقی رہ گیا ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ کینیڈا کا آٹھواں سالانہ اجتماع شروع ہونے والا ہے، 18 / اگست سے شروع ہو رہا ہے تین دن جاری رہے گا۔ انہوں نے سب کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا ہے اور دعا کی درخواست کی ہے۔

صرف یہ کہہ کر اب میں بات ختم کرتا ہوں کہ ہم جس دور میں داخل ہو گئے ہیں وہاں ہمیں اب جلد جلد ان احادیث کے، ان قرآنی مضامین کے پورا ہونے کا اس دنیا میں انتظار رہے گا اور بار بار رہے گا کیونکہ جس تیزی سے جماعت پھیل رہی ہے اس تیزی سے مالی تقاضے بھی بڑھ رہے ہیں۔ آغاز میں یہ جو نئے آنے والے ہیں یہ جتنی قربانی دے سکتے ہیں اس سے بہت زیادہ خرچ چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تالیف قلب کے تعلق میں ان تقاضوں کو بیان فرمایا ہے۔ پھر ان کی تربیت کے لئے جو نظام بنانا ہے، جس قدر مربی چاہئیں، جس قدر سکولز، ہاسپٹلز اور اس قسم کی چیزیں ہمیں چاہئیں ان پر ابتداء میں ہمیں سرمائے کی ضرورت ہے۔ اب ٹیلی ویژن کے ذریعے بھی ان کے ہاں نئی نئی قوموں میں، نئی نئی جگہوں پر ٹیلی ویژن کے انٹینا نصب کرنے ہیں۔ پھر وقت کے تقاضے ہیں کہ اور زیادہ وقت بڑھایا جائے۔ اب میں کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ کے فضل کے ساتھ یہ جو افریقہ اور پاکستان وغیرہ میں بھی یورپ میں بھی جو وقت اس وقت میسر ہے اس سے کئی گنا زیادہ وقت حاصل کر لیا جائے کیونکہ اب ہمارے اندر اس وقت کے اندر سمٹ کر رہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ انسان بڑا ہو تو کپڑے بڑے کرنے پڑتے ہیں اور بچے زیادہ ہوں تو گھر بڑے کرنے پڑتے ہیں۔ تو جماعت احمدیہ اس دور میں داخل ہو رہی ہے جہاں اتنی تیزی سے بدن بڑھ رہے ہیں کہ کل کے کپڑے چھوٹے دکھائی دینے لگے ہیں، کل کا گھر بالکل معمولی سا ہو گیا ہے۔ اس لئے جماعت ان آیات کی روشنی میں

مالی قربانیوں میں بھی بڑھے اور یہ عرض کرے اللہ سے کہ الدَّارِ تو تو نے دینا ہی دینا ہے مگر اس دنیا میں بھی جو وعدے کئے ہیں جلد بڑھانے کے وہ دے کیونکہ ہمیں تیری خاطر تیری رضا کمانے کے لئے، اس کے تقاضے پورے کرنے کے لئے بکثرت روپوں کی ضرورت ہے۔ ہم نے کسی اور سے نہیں مانگنا، تیرے در پہ جھکنا ہے۔ محمدؐ رسول اللہ کے وہ ساتھی بن کے دکھانا ہے کہ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وہ اللہ ہی سے فضل چاہتے ہیں اور ہر فضل جو ان کو عطا ہوتا ہے وہ اللہ کی رضوان بن جاتا ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین